نبوت و رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں نبوت و رسالت کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے

از حضرت مولانا عبدالمالک کھوڑدی

القمر بک کارپوریشن

نام کتاب .... النبوت والرسالت

مصنف .... مولانا عبدالمالک کھوڑویؒ

ناشر .... المعز بک کارپوریشن لاہور

مطبع .... اردو آرٹ پریس [illegible] مارکیٹ لاہور

قیمت .... ۳/۰ روپے صرف

بسعی واہتمام

حافظ احسان احمد فاروقی سیالوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ
عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا

خدا نے اپنی معرفت کے لئے انسان کو عقل دی۔ تاکہ اُس کے ذریعہ اُس کی وحدانیت اور واجب الوجود ہونے پر ایمان لائے سب سے پہلے عقل یہ قیاس مرتب کرتی ہے کہ ہر نشان کے لئے کوئی نشان قائم کرنے والا ضرور ہے جاہل سے جاہل چرواہا جنگل میں سراغ سے اپنے مال مویشی کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ گم کردہ راہ شب تاریک میں چراغ دور کو دیکھکر سمجھتا ہے کہ کوئی آبادی ضرور ہے دھوئیں کو دیکھکر آگ کا اور دھوپ کو دیکھکر آفتاب کا یقین ہوتا ہے۔ اسیطرح بڑھتے بڑھتے یہ اذعان ہوتا جاتا ہے۔ کہ زمین آسمان، سورج اور ستاروں کا ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ کیونکہ کوئی چیز خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے ایک ہستی مطلق کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم اپنے وجود کے عالم کو دیکھیں اور اُسکی بناوٹ اور ترتیب و تناسب

اعضا پر چمک رہی ہے۔ ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا اقرار کرتی ہے۔ آپ
ان ہی معنوں میں کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جو اپنے نفس کی
حقیقت پر آگاہ ہوا۔ وہ خدا کی ذات سے بھی واقف ہوا۔

پس خدا کی نعمت اور عنایت ہر ایک انسان کے لئے یکساں تقسیم ہے۔ جو کوئی اپنی عقل
سے کام لیتا ہے۔ وہ منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جو عقل سے کام نہیں لیتا
وہ گمراہ رہتا ہے۔

اس سبب قدرت حق نے اپنے بندوں کے لئے سوائے عقل کے ہدایت کے اور
بھی راستے پیدا کر دیئے ہیں اور اتمام حجت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ جب خدا دیکھتا
ہے کہ بندے عقل سے کام نہیں لیتے اور گمراہ ہوتے جاتے ہیں تو انہیں میں سے
انکے سمجھانے کے لئے اپنے خاص بندے مقرر کرتا ہے جو ان کو وعظ اور تلقین کرتا
ہے اور خدا کے احکام سناتا ہے۔ یہی نبی اور رسول کہلاتا ہے۔ رسول اور نبی خاص طاقت
رکھتا ہے اور اسکی باطنی و روحانی کیفیت خاص ہوتی ہے اگرچہ شکل عام لوگوں کے
بھی ایک بشر ہوتا ہے لیکن اسکو خدا کے ساتھ واسطہ قرب خطاب ہوتا ہے۔ اور
اسی قرب خطاب کی وجہ سے وہ افضل الناس کہلاتا ہے۔ اسکی طاقت اور قوت کا
نام **نبوت و رسالت** ہے۔

میں کوشش کرونگا کہ نبوت اور رسالت کے معنے کو عام فہم مثالوں کے پیرایہ
میں سمجھاؤں۔ اور انسان میں ظاہری اور باطنی جسمانی طاقتیں ہیں۔ لیکن جس طرح آنکھ

کہ جس قدر پھیلاؤ بڑھاتی ہے اُسی قدر روشن ہوتا ہے۔ اسیطرح ہر ایک قوت یا طاقت انسانی کام کرنے سے قوی اور طاقتور ہوتی ہے۔ اور معطل کرنے سے زائل ہوجاتی ہے۔

دایاں اور بایاں بازو بناوٹ اور شکل میں ایک سے ہیں مگر چونکہ ہم دائیں بازو سے زیادہ اور بائیں سے کم کام لیتے ہیں اِس لئے وہ قوی اعضیہ گرو ہے۔ آنکھوں کو اگر ہم کچھ دن بند رکھیں تو انکی بینائی کم ہوجاتی ہے۔ اسیطرح ذہنی اور روحانی طاقتوں کا حال ہے۔ جوڑے کے دو بھائی جو ایک ہی وقت پیدا ہوتے ہیں اور ان کا باپ اور ماں ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی قسم کی غذا کھاتے ہیں اور ایک ہی فرش پر سوتے ہیں ایک بکریاں چراتا ہے اور دوسرا اقلیدس اور الجبرے کی شکلوں اور اصول کو ثابت کرتا ہے وجہ یہ ہے کہ ایک نے قوت ذہنی کو معطل کردیا۔ اور دوسرے نے اُسکو ریاضی کی تعلیم و تعلم میں بڑھایا۔

ایک اور مثال سنو جس قدر کوئی انسان کسی خاص فن یا اصول میں زیادہ فکر و غور کرتا ہے اسیقدر اُس میں مہارت کرتے کرتے یکتائی کا رتبہ پاتا ہے یہانتک کہ ایک زمانہ میں کہا جا سکتا ہے کہ فلاں اس وقت اس درجہ کا ادیب ہے کہ اسکی نظیر نہیں ہے۔ فلاں اسقدر ریاضی دان ہے کہ اسکی مثال نہیں۔ اسیطرح اور علوم و فنون کا حال ہے۔ الغرض کوئی شخص مشق یا غور و فکر سے کسی علم و فن میں ایسا برتری کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے کہ دوسرے وہاں تک پہونچ نہیں سکتے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اُن کے وجود میں خدا نے ایسی قوت رکھدی ہے جو استعمال سے اپنی فطرت کو پہونچتی ہے۔ دنیا کی ایجادوں اور علوم

کی ترقی کو دیکھو تو ایک عالم حیرت نظر آئیگا۔ یہ سب کچھ ذہنی طاقتوں کو غور اور فکر میں لگانے کا نتیجہ ہے :

اِن مثالوں سے آپ اِنکار نہیں کر سکتے کہ نبوت اور رسالت بھی قوتیں ہیں۔ اِن قوتوں کی تکمیل کے لئے خدا اپنے خاص بندوں کو مقرر کرتا ہے جو رفتہ رفتہ اس کو عمل کرتے ہیں۔ اور نبی اور رسُول کہلاتے ہیں :

مثال کے طور پر اگر آپ جاہل بھائی کا اِنکار فاضل بھائی کی ہندسہ دانی کی نسبت فضول اور بیہودہ خیال کرتے ہیں تو بہت کم ذاتی اپنے انکار کو دربارہ نبوت و رسالت لایعنی و لاطائل سمجھیں۔ کیونکہ جو شخص روحانیت سے ایسا بے خبر ہے جیسا کہ چرواہا ریاضی سے تو وہ کس طرح نبوت اور رسالت کے اِنکار کا حق رکھتا ہے۔

میں ایک اور مثال دیتا ہوں جس شخص نے چشموں سے پانی ابلتا نہیں دیکھا۔ اگر وہ چشموں کے وجود ہی سے اِنکار کر دے تو کیا وہ احمق نہیں کہلائیگا۔ اسی طرح جو شخص نبوت اور رسالت کی حقیقت اور علم سے اِنکار کرتا ہے وہ اِن لوگوں کے نزدیک جو انسانی طاقتوں کے کمالات اور اُس کی ترقی سے واقف ہیں جاہل اور گمراہ ہے :

آپ روز مرہ کے جلسوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض شاعر اور لیکچرار رفتہ رفتہ اس درجہ کی فصاحت اور بلاغت اور اسلوب کلام پر پہنچ جاتے ہیں کہ مجلس اُنکے ایک ایک مصرع اور ایک ایک فقرہ پر تڑپ اُٹھتی ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ بھی سچ ماننا پڑے گا کہ خداوند تعالے اپنے خاص آدمیوں کو فصاحت و بلاغت و استدلال کا وہ درجہ دیتا ہے کہ وہ تمام دنیا کو خدا کی ہستی کا قائل کر دیتے ہیں

پس جو شخص ایک لمحے کیلئے انسان کی روحانی قوتوں پر غور کرتا ہے وہ نبوت و رسالت کا کبھی انکار نہیں کرسکتا۔ بہرحال کم سے کم اسکا قائل ہو جاتا ہے کہ انسان کے وجود میں علاوہ جسمانی قوتوں کے روحانیت میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ عدالت کسی بڑے سے بڑے رئیس کی شہادت پر اعتبار نہیں کرتی۔ مگر کسی فقیر کے بیان کو قابل وقعت خیال کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس رئیس کا خلق بہت گرا ہوا ہوتا ہے۔ مگر فقیر کی نسبت ہر ایک کا اعتقاد ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لئے کہ اس نے راست گوئی میں ایسا ملکہ پیدا کیا ہے کہ اسکی نسبت کبھی وہم و گمان نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ جھوٹ بولے گا۔ پس اخلاق حسنہ کا اختیار کرنا اور خصائل رذیلہ سے مجتنب رہنا روحانی طاقت کی ترقی کی ابتدا ہے۔

جس طرح کسی فن میں فاضل ہونے کے لئے اس فن کے مبادی اور اصول کی تعلیم ضروری ہے اسی طرح نبوت اور رسالت کیلئے اخلاقِ حسنہ کا حاصل کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ نبی اور رسول اخلاق اور اوصاف کاملہ کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کیلئے پیدائش کے وقت ہی سے ایسے اسباب اور ذرائع پیدا کر دیتا ہے جو نبوت اور رسالت کی تکمیل کے لئے مقدمہ ہوتے ہیں۔

نبی و رسول صداقت، تحمل، بذل و کرم، عفو، محنت، شفقت، حلم و حیا وغیرہ اوصاف کا مجموعہ ہوتا ہے اور انہیں اوصاف کے مدارج کے لحاظ سے ایک دوسرے سے نسبتاً برتر سمجھا جاتا ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض کہہ کر اس پر شاہد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ مجاہدہ اور بذل و کرم میں کامل تھے۔ حضرت نوحؑ تکلیفات میں صابر۔

علیٰ ہذا القیاس حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ و ایوبؑ صبر میں حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ شکر میں اور حضرت یوسفؑ شکر اور صبر دونوں میں اور حضرت موسےؑ معجزات میں اور حضرت زکریاؑ یحیٰؑ عیسیٰؑ الیاسؑ زہد و تقویٰ میں حضرت اسماعیلؑ صداقت میں حضرت یونسؑ تضرع میں مشہور تھے۔ خدا نے ان کے بعد ان تمام اوصاف کا مجموعہ ایک ذاتِ اقدس کو عطا کیا جس کے حق میں کہا جاتا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

انبیا اور رسل کی سوانح عمری پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبقہ اعلیٰ کس طرح اخلاق حسنہ کا اکتساب اور عادات رذیلہ سے اجتناب کرتا ہے اور اس منزل کے بعد انکی طبیعت شبہات اور توہمات سے اس طرح مبرا ہوتی ہے جس طرح ان کا دامن عفت خطا اور معصیت سے پاک ہوتا ہے اُن کے دینی اور دنیاوی شبہے صاف ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں حقیقت کا ترجمہ ہوتا ہے عقل کی روشنی میں ان کی ذہنی اور جانی قوتیں الٰہیات کے اعلیٰ منازل کی سیر کرتی ہیں۔ اس لئے ان کے قیاسات کا نتیجہ بلا شبہ صحیح اور انکے فکر کا حکم بلا شک مسلّم ہوتا ہے۔

حتےٰ کہ وہ خواب میں آنے والے واقعات کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح ہم بیداری میں کسی چیز کو آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ انکی آنکھیں خدا کی آنکھیں اور ان کے کان خدا کے کان ہو جاتے ہیں اور پھر وہ بیداری میں خدا کے ارشاد کو اس طرح سنتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کی بات چیت سنتے ہیں۔ یہی سبب ہے ان کی مثال بارگاہ

خداوندی میں ایسی ہے جس طرح بادشاہ کی بارگاہ میں وزرا کی۔ وہ خدا کے لطف
آمیز خطاب سے خوش ہوتے ہیں اور قہر آگین عتاب سے کانپتے ہیں جس قدر ان کی
قوتیں تیز ہوتی ہیں اسیقدر انہیں احساس زیادہ ہوتا ہے۔ یہ سب ایک ہی مفہوم
اور مطلب لوگوں کو سمجھاتے ہیں اور مختلف محسوسات کی مثالوں میں اپنے مدعا کو بیان
کرتے ہیں۔ ان کا طرز بیان قریباً ایک ہی سا ہوتا ہے۔ اُن کے بیان میں اعجاز
ان کی تقریر میں اثر ہوتا ہے جس طرح کوئی فوجی افسر پہاڑ کی بلندی پر چڑھ کر دشمن
کی فوج کی نقل و حرکت سے اپنی فوج کو آگاہ کرتا ہے اسیطرح رسول اپنی امت کو ایسے
امور کی اطلاع دیتا ہے جس پر اُس کی امت خود مطلع نہیں ہو سکتی ؞

جس طرح کہ فوج کو اپنے افسر کے مقالات بیان کردہ پر حق الیقین ہوتا ہے۔ اسیطرح
وہ لوگ جو انبیاء کی حقیقت اور عظمت اور فضیلت سے واقف ہوتے ہیں۔ اُنکے احکام
پر سر تسلیم خم کرتے ہیں ؞

انبیا اور رسل تبلیغ احکام میں کوئی اُجرت نہیں لیتے۔ بلکہ یہ اُن کا ذاتی مقصد ہے
کہ وہ شفقت اور تلطف سے لوگوں کو راہ راست پر لائیں۔ اور یہی فطرت الٰہی کا منشا ہے
جس کے پورا کرنے کے لئے وہ بھیجے جاتے ہیں جب انکی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ تو اُن کو
بڑے بڑے نشان دیئے جاتے ہیں تاکہ لوگ انکی صداقت پر ایمان لائیں۔ یہ نشان صرف
انہیں لوگوں کے لئے ہیں جو ظاہر بین اور مادہ پرست ہیں ورنہ جو فہم رسا رکھتے ہیں وہ
رسل اور انبیا کے اخلاق اور طرز معاشرت اور طریق تمدن سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ رسل من اللہ ہیں

معجزات اور خوارق کا جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور انکی جہالت کی یہ وجہ ہے کہ انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ انکے ظاہری حواس اور باطنی قوتیں ہر ایک امر کی کنہ کو پہنچ سکتی ہیں اور انہوں نے یہ بھی سمجھ رکھا ہے کہ ان کا زمانہ زندگی ازل تا ابد کا مجموعہ ہے اور انکے معلومات ازل اور ابد کے معلومات ہیں حالانکہ یہ جنون ہے۔

ان کو اپنی ذہنی قوت اور احساس ظاہری پر غور کرنا چاہیے کہ ان کا مبلغ ادراک کہاں تک ہے ہم بعض وقت دور سے دیکھتے ہیں کہ فلاں چیز ہے یا فلاں چیز ہے جب نزدیک جاتے ہیں تو کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ بسا اوقات جلسے لئے آدمیوں کی تشخیص اس قدر مشکل ہو جاتی ہے کہ ہم کچھ سے کچھ سمجھنے لگ جاتے ہیں ہم اپنا معاملات کی نسبت مشورہ کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس طریق پر چلنے سے اپنے مقصد پر پہنچ جائینگے اور ہمیں اسطرح اپنے مقاصد ومطالب کی کامیابی میں بظاہر شبہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ سخت غلطی ہوتی ہے۔ یہ لوگ علم ہیئت کے مسایل کی تحقیقات میں تو زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں مگر اپنے گھر کا حال معلوم نہیں ہوتا ہے

تو براوج فلک چہ دانی چیست　　چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست

ہمارے پیٹ میں اگر درد ہوتا ہے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس جگہ اور کیوں ہے جب ہم اپنے بدن کی خبر نہیں رکھتے تو ملاء الاعلیٰ کے کارخانہ قدرت میں کیوں دخل در معقولات دیتے ہیں۔ انکے ذہن ناقص میں یہ خیال سمایا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسباب اور ذرائع سے ہوتا ہے۔ اور اسباب اور ذرائع وہی ہیں جن کو خارج میں ہم دیکھتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے

کہ ہم روحانی اسباب اور معلومات پر احاطہ نہیں کر سکتے۔ اگرچہ ٹیوب ول لگانے کے کوئیں کو دیکھ کر تسلیم کرتے ہیں کہ پانی اپنے زور سے قدرتی چشمہ کی طرح جاری ہو سکتا ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ کوئی پیغمبر پہاڑ سے عصا مار کر چشمہ جاری کر سکتا ہے۔ زمانے کے مختلف حادثات کی تواریخ کے پڑھنے سے اس امکان کے تو قائل ہو جاتے ہیں اگر کسی سیارے کا کوئی ریزہ زمین پر گرے۔ مگر تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے ؛

ایروپلین کی فلک پیمائی اور باد رفتاری تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر تخت سلیمانی کی پرواز کو نہیں مانتے وہ ہالتوجو کو مانتے ہیں لیکن مسیحؑ کے منکر ہیں شکسپیر کے ڈراموں کا اعجاز ان کے نزدیک مسلم ہے۔ مگر قرآن کے اعجاز و بلاغت میں کلام ہے ؛

اس سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ انسان قطرہ آب سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس سے انکار ہے کہ حشر اجساد ہو گا۔ وہ کہتے ہیں جب انسان کا وجود مرنے کے بعد مٹی یا خاکستر ہو جاتا ہے اور ہوا مٹی کے ریزوں کو ایسا منتشر کر دیتی ہے کہ وہ تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں۔ اور کچھ دریاؤں اور سمندروں میں تہ نشین ہو جاتے ہیں تو ان سب ذرات کا جمع ہونا کس طرح ممکن ہے۔ مگر وہ نہیں دیکھتے۔ کہ جو غذا ہم کھاتے ہیں جس سے مادہ تولید پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی تمام روئے زمین سے ریزہ ریزہ جمع کر کے مہیا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے اور مٹی کے ذرے مختلف اور دور دراز مقامات سے آ کر جمع ہوتے ہیں پس جب ذروں سے انسان کی پیدائش کا امکان ثابت ہے تو حشر اجساد محال کیوں ہے ؛

ہمارے حواس ایک حد مقررہ تک کام کرتے ہیں اور اس سے غیر محدود کام لینا چاہتے

ہیں یہیں تھوڑا سا نظام شمسی کا حال لکھتا ہوں جس سے نظام شمسی کی وسعت کے مقابلہ میں انسانی فہم و فراست کی کم مائیگی ظاہر ہوگی۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

زمین اور آفتاب میں فاصلہ ۹ کروڑ تیس لاکھ میل ہے ۔

سنٹوری سیارے اور آفتاب کا فاصلہ بمقابلہ فاصلہ زمین و آفتاب دو لاکھ دس ہزار گنا زیادہ ہے اور اس کی روشنی تین سال میں ہم تک پہونچتی ہے ۔

یعنی اگر ہم فاصلہ زمین و آفتاب کو ایک فرض کریں تو فاصلہ سنٹوری اور آفتاب کا دو لاکھ دس ہزار ہوگا اور جو شعاع اسکی ہم دیکھتے ہیں اُس نے تین سال کے عرصہ میں زمین و سنٹوری کا درمیانی فاصلہ طے کیا ہے ۔

اسی طرح شعریٰ جس کو عربی میں ذنب کہتے ہیں اسکا فاصلہ آفتاب سے تین لاکھ بیس ہزار گنا ہے اور اس کی روشنی ۶ سال میں پہونچتی ہے ۔

ویگا کا فاصلہ سات لاکھ ترانوے ہزار گنا ہے اور اسکی روشنی ۱۲ سال میں زمین تک آتی ہے

سیرالیس جس کو عربی میں کلب کہتے ہیں اُس کا فاصلہ آفتاب سے تیرہ لاکھ چھتر ہزار گنا ہے اور اس کی روشنی ۲۱ سال میں زمین تک پہونچتی ہے ۔

آرکٹس کا فاصلہ آفتاب سے سولہ لاکھ چونتیس ہزار گنا ہے اور اسکی روشنی ۲۷ سال میں زمین تک پہونچتی ہے جسے عربی میں پولرس قطب شمالی کا ۹۱ لاکھ چھتیس ہزار گنا ہے اور ۱۴۰ سال میں اسکی روشنی زمین تک آتی ہے ۔

ہیلی کامٹ ۔ دمدار سیارہ جو تم نے سب سے پہلے ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو دیکھا

وہ اپنا دورہ ۷۶ سال میں پورا کر کے ۱۹۸۶ء میں پھر نظر آئے گا۔

یہ سیارے وہ ہیں جو ہزاروں سال کی جد و جہد سے دریافت کئے گئے ہیں لیکن ان سے اوپر ثوابت کا حال نہیں کھلا۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس میں کون آباد ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا۔ پس جب ہماری ذہنی اور ظاہری حواس کی کمزوری اور زمین اور آسمان کی وسعت کا یہ حال ہے تو پھر یہ کہنا کہ جس چیز کو ہم نہیں دیکھتے یا اُس کے اسباب اور علل سے بے خبر ہیں۔ اس کا وجود ہی نہیں ہے غلط ہے۔ کیونکہ محدود غیر محدود کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

پس اس کمزوری اور ناتوانی حواس کی حالت میں ضرور تھا کہ خدا ہم کو اپنے خاص بندوں کے ذریعہ اپنی ذات سے آگاہ اور اپنی عظمت اور جبروت کو آشکار کرتا اس لئے اس وجہ سے کہ ہم بندگانِ خاص (رسل و انبیاء) کی نسبت بدگمانی نہ کریں۔ ان کو اعلےٰ درجہ کے اخلاق جمیلہ اور اعمال حسنہ دیئے جس سے ایک صحیح فطرت کا انسان یقین کرتا ہے کہ وہ خاص طاقت رکھتے ہیں۔ اور ایسے خاص طاقت کے پاک نفوس رسل من اللہ ہوتے ہیں۔

احکام الٰہی اور اس کی جزئیات کی تفصیل کیلئے قدرت کا یہ منشاء تھا کہ وہ انبیاء اور رسل کو بھیجے اور اپنی حجت کو پورا کرے۔

فطرت نے جس طرح نظامِ دنیا کی رفتہ رفتہ تکمیل کی اسی طرح نظام دین کو بھی بالتدریج مکمل کیا۔ کیونکہ ایسا کرنا فطرت کا خاصہ تھا۔ فطرت نے پہلے ایک کو بھیجا کہ وہ مکان کا بنیادی پتھر رکھے پھر دوسرے کو بھیجا کہ وہ دیواروں کو اٹھائے پھر تیسرے کو بھیجا کہ ....

چھت ڈالے پھر چوتھے کو بھیجا کہ وہ پلستر کرے علیٰ ہٰذا القیاس یکے بعد دیگرے آتے گئے اور
انہماک کرتے رہے۔ مگر اخیر میں ایک بھیجا گیا جس نے باقی حصہ مکان کو مکمل کیا اور مکان کی پیشانی پر
سنگ کا کتبہ لگا کر بانی کا نام اور سال تعمیر لکھدیا اس آنے والے نے مکان کو خس و خاشاک سے پاک اور
صاف کر کے اس میں اعلےٰ سے اعلےٰ سامان کو باقرینہ رکھدیا تو اب کہا جائیگا کہ اس اخیر آنیوالے نے
مکان کو مکمل و مختتم کر دیا اور ان فروگذاشتوں کو پورا کیا جو پہلے چھوڑ گئے تھے۔ اسیطرح نبیوں اور
رسولوں کا حال ہے انہوں نے رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے اصول دین اور شرائع کو مکمل کیا اور سب کے بعد
آنیوالے نے شریعت کو بوجوہ مرتب و مختتم کیا اور ملت کے جہانگیر اور گیتی ستان علم پر اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ کا پھریرا لگا دیا جسکے معنی ہیں فطرت الٰہی نے خاتم النبیین کا سہرہ انکے سر پر باندھا پیغمبروں
شریعتوں اور اصول کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب شرائع اور اصول مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر کسی
اور نبی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو صرف ایسے بندوں کی ہوتی ہے جو اسکی شریعت کی
وقتاً فوقتاً توضیح اور تجدید کریں اسلئے سب کے اخیر آنیوالا خاتم النبیین کے لقب کا مستحق ہے جسطرح ایک
عقول کی تعلیم یافتوں کا بالعموم ایک ہی مذاق ہوتا ہے اسیطرح اس طبقہ علیا انبیاء و رسل کے اصول بھی یکساں
ہوا کرتے ہیں ایک کے بعد دوسرے آنے والے کو یہی ہدایت ہوتی ہے کہ وہ پہلے کے قائم کردہ اصول کی
توضیح کرے اور ان پر اضافہ کرے جس کے لئے وہ مامور ہے یا خداوند تعالےٰ اسکے ذریعہ
کسی آیت کو منسوخ کر کے اسکی جگہ بحالات زمانہ دوسری آیت کو نہ بھیجے۔

اسی اصول فطرت نے سب سے اخیر والے کو حکم دیا۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ

ترجمہ: یہ گروہ پیغمبران وہ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی آپ بھی انکے اصول اور شرائع کی اقتدا کریں۔"

جس طرح انبیاء کو دوسرے انبیاء کے اصول و شرائع کی پیروی واجب ہے۔ اسی طرح ہر فرد امت کو پیغمبر وقت کی پیروی لازم ہے چونکہ پیغمبر کے عادات اور خصائل اور روزمرہ کی زندگی خود عامۃ الناس کیلئے ایک ہدایت ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے پیغمبر کی معاشرت اور تمدن کے حالات پڑھیں اور ان حالات سے خود اپنی ذات میں وہ صفتیں پیدا کریں جن سے کہ وہ ممتاز تھے۔

پس میں افضل الرسل اور خاتم النبیین حضور علیہ السلام کے اخلاق معاشرت اور تمدن کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں اور اس سے بہتر موعظت اور تعلیم نہیں ہو سکتی کیونکہ خاتم النبیین مجتمع صفات الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اور آپ امت کے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین مثال انسانی ہیں قرآن میں ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ترجمہ تم میں سے جو اللہ اور آخرت پر امید رکھتے ہیں اور خدا کو بہت یاد کرتے ہیں ان کے لئے حضور علیہ السلام بہترین نمونہ اخلاق ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کی تفصیل جب دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا۔ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ يَغْضَبُ بِغَضَبِهِ وَيَرْضَىٰ بِرِضَاهُ ترجمہ آپ کا خلق قرآن ہے جس قدر قرآن میں اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں آپ ان سے متصف اور جس قدر خصائل ذمیمہ ہیں۔ اس میں مذکور ہیں۔ ان سے مجتنب تھے

پس حضور علیہ السلام کے جمیع اخلاق پر اطلاع پانے کے لئے قرآن کافی ہے۔ گویا حضور علیہ السلام کے اخلاق کی تفسیر اور تفصیل ہے اور جب تک اخلاق کی تفاصیل سے آگاہی

یہ سو قوت اخلاقیہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کی تلاوت واجب ہے۔
علما کا اختلاف ہے کہ اخلاق جبلی ہیں یا کسبی۔ صحیح خیال یہ ہے کہ تمام اخلاق جبلی ہیں۔ اور ریاضت و مجاہدہ سے ان کی کیفیت و کمیت میں ترقی ہوتی ہے اس لئے قرآن شریف کی تلاوت سے رفتہ رفتہ انسان کو ایک ملکہ حاصل ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان سے کبھی افعال مذمومہ سرزد نہیں ہوتے۔

قرآن میں حضور علیہ السلام کے شان میں آیا ہے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ط بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ وغیرہ وغیرہ مختلف آیات ہیں۔ صحیح حدیثوں سے جو حضور علیہ السلام کے خلق کے بیان میں آئی ہیں۔ کچھ انتخاب پیش کرتا ہوں۔

آپ بہت مجاہد تھے۔ حتیٰ کہ نفل پڑھتے پڑھتے آپ کے پاؤں پر ورم ہو جاتا۔ خلوت میں یاد خدا اور جلوت میں تبلیغ احکام فرماتے۔ کوئی سائل آپ کے در دولت سے محروم نہ جاتا۔ اگر کچھ پاس نہ ہوتا تو فرماتے کہ میرے نام قرض لیکر حاجت پوری کرو میں ادا کر دوں گا۔ آپ اچھے برے سے پوری التفات سے پیش آتے۔ بلکہ بروں کے ساتھ زیادہ التفات کرتے۔ تاکہ وہ راہ ہدایت پر آئیں۔ نہ کسی کی غیبت و مذمت کرتے۔ نہ عیب جوئی۔ آپ نہ کسی کے ساتھ جھگڑا کرتے نہ طلب کے بغیر کوئی بات کہتے بار بار سوال کرنے سے ناراض نہ ہوتے۔ ہر وقت خندہ رو اور کشادہ پیشانی رہتے۔ اور بے جا خوشامد سے نفرت کرتے۔ آپ سوائے اس کے کہ کوئی سنگین جرم ہے۔ کسی سے انتقام

لینے کی کوشش نہ کرتے اور نہ کسی کے درپے آزار ہوتے۔ آپ اُس شخص سے جو سختی سے پیش آتا نرمی سے گفتگو فرماتے ہر ایک کی بات کو غور سے سنتے اور بیچ میں دخل نہ دیتے۔ ہاں اگر کوئی خلاف شرع کہتا تو اُس کو روک دیتے یا مجلس سے اُٹھا دیتے۔ آپ بہت سخی تھے خصوصاً ماہ رمضان میں جو کچھ پاس ہوتا فقرا کو دے دیتے آپ بادشاہوں کی طرح بخشش کرتے۔ اور فقیروں کی طرح رہتے۔ یہاں تک کہ کئی روز آپ کے ہاں کھانا نہ پکتا۔ اور پیٹ پر پتھر باندھتے جب وحی آتا تو شکرانہ میں جو کچھ پاس ہوتا ساکین کو دیدیتے۔ آپ کسی چیز کو بطور ذخیرہ آئندہ کے لئے جمع نہ رکھتے۔ جب آپ کوئی بات کرتے تو اصحاب آپ کے حضور میں سب سرنگوں رہتے۔ اور کسی دوسری طرف التفات نہ کرتے۔ آپ بچوں سے دلجوئی اور عورتوں کے ساتھ رفق و تلطف سے بات چیت کرتے السلام علیکم کہنے میں مبادرت فرماتے۔

آپ حوادث میں ثابت قدم اور دنیا سے مستغنی رہتے۔ آپ ہر ایک کام میں خدا پر بھروسہ رکھتے۔ آپ لوگوں کے مقدمات کو انصاف و عدل سے فیصل فرماتے آپ ریا اور سمعت سے پاک تھے۔ آپ پردہ نشین کنواری عورت سے زیادہ حیا مند تھے۔ اگر کسی مکروہ چیز کا ذکر آپ کے سامنے ہوتا تو کراہت کے آثار چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتے۔

آپ حد درجہ کے متواضع، حلیم، متقی، رحیم، صابر اور شاکر تھے۔ آپ کے

اوصاف کا بیان کرنا احاطہ طاقت بشری سے باہر ہے جس کی تعریف خدا نے
خود کی ہو۔ اُس کی تعریف کوئی کس طرح اور کہاں تک کر سکتا ہے۔

أَرَىٰ كُلَّ مَدْحٍ فِي النَّبِيِّ مُقَصِّرًا
وَإِنْ بَالَغَ الْمُثْنِي عَلَيْهِ وَأَكْثَرَا
إِذَا اللهُ أَثْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ أَهْلُهُ
عَلَيْهِ فَمَا مِقْدَارُ مَا يَمْدَحُ الْوَرَىٰ

ترجمہ:- میں ہر ایک مدح کو خواہ ثنا خواں کتنا ہی مبالغہ کرے۔ یا کثرت سے بیان کرے
حضور علیہ السلام کے شان سے کم پاتا ہوں۔
جب خدا آپ کی تعریف اُن الفاظ سے کرتا ہے جس کے آپ اہل ہیں تو اس کے مقابلہ میں
خلق خدا کے تعریفی الفاظ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔

طالب الشفاعۃ
ابوالبرکات محمد عبدالمالک عفی عنہ شیرمال
بہاول پور

(رقم حسنی خوشنویس تحصیل یزمان)